سبق 1:

(سورۃ یوسف ،آیت 1 تا 7)

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا ہمیشہ رحم والا ہے

الٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۟﴿۱﴾

الٓرٰ ۔ یہ اس عظیم کتاب کی آیات ہیں جو ہر بات وضاحت سے بیان کرتی ہے ①

سورۂ یوسف مکی سورت ہے۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ ہمیں کوئی قصہ سنائیں تو اس موقع پر سورۂ یوسف نازل ہوئی۔ [مسند البزار : ۱۱۵۳، وحسنه الأعظمي في الجامع الكامل : ۱۰/ ۴۳۲] نبی اکرم ﷺ کو مکہ میں جو حالات و واقعات پیش آئے ان کے ساتھ یوسف علیہ السلام کے حالات و واقعات کی بہت گہری مناسبت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو جنھوں نے سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں وہ آپ ﷺ کے اپنے خاندان، رشتہ داروں اور قبیلے میں سے تھے جبکہ یوسف علیہ السلام کو بھی اپنے بھائیوں سے ہی تکلیف پہنچی اور وہی انھیں کنویں میں ڈالنے والے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید اس طرح یوسف علیہ السلام کا قصہ تمام ہو جائے گا اور ہماری اس سے جان چھوٹ جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں کنویں سے نکال کر مصر کے تخت پر بٹھا دیا۔ یوں یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکنے والوں کو ہی بالآخر معافیاں مانگنا پڑیں۔ ادھر نبی ﷺ کو بھی رب تعالیٰ نے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ جن کی وجہ سے ہجرت کرنا پڑی اور تکلیفیں برداشت کیں وہی فتح مکہ کے دن آپ ﷺ سے معافیاں مانگ رہے تھے اور جان کی امان طلب کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا تو ہمارے بچاؤ کی کوئی شکل نہیں ہے۔

یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ کا مطالعہ کیا جائے تو بہت ساری مطابقتیں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سمجھ آتی ہیں۔ اللہ رب العالمین نے اس واقعہ کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے واقعات کو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے، جبکہ یوسف علیہ السلام کا قصہ سورۃ یوسف میں ایک ہی جگہ پر مکمل تفصیل اور تسلسل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں یوسف علیہ السلام کے واقعہ کا انداز بالکل مختلف ہے۔

آیت 1 الٓرٰ : یہ حروف مقطعات ہیں جن کے بارے میں متعدد مرتبہ بحث ہو چکی ہے۔ یہ حروف اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ نبی اکرم ﷺ اسے اپنی طرف سے نہیں بنا رہے بلکہ رب تعالیٰ نے اسے جس طرح نازل کیا ہے آپ ﷺ نے اسے اسی طریقے سے پیش کر دیا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ : "تِلْكَ" عربی زبان میں "دور" کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اہلِ عرب کو جب کسی عظیم چیز یا واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا، بالخصوص وہ چیز جو سننے والے کے ذہن میں ہوتی، اس کی یاد دہانی کے لیے

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾

بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے، تاکہ تم سمجھ سکو ②

دور کا اشارہ استعمال کرتے تاکہ سننے والا اس کی اہمیت کا احساس کرے۔ اسی احساس کو اجاگر کرنے کے لیے ارشاد ہوا: ﴿ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ﴾ کہ یہ اس عظیم کتاب کی آیات ہیں جو ہر بات وضاحت سے بیان کرتی ہے۔ اس آیت میں "الۡكِتٰبِ" سے مراد قرآن ہے اور اس کی صفت یہ ہے کہ اس کا اندازِ بیان بہت واضح اور ہر ایک کی سمجھ میں آنے والا ہے۔ اسی طرح "الۡمُبِيۡنِ" کا مطلب ہوتا ہے جو اپنا معنی مکمل طور پر واضح کر دے اور اس حوالے سے کوئی اشتباہ باقی نہ رہ جائے۔ اس کتاب کے اللہ کا کلام ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں وہ تمام امور بیان کیے گئے ہیں جو انسانوں کو زندگی میں پیش آتے ہیں۔

آیت 2 ﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلی بات یہ سمجھائی ہے کہ اس قرآن کو ہم نے نازل کیا ہے۔ تم مانو یا نہ مانو اور جتنے چاہو اشکالات پیش کرو اور الزام تراشیاں کرو، حق یہی ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب ہے۔ مکہ والوں کی زبان چونکہ عربی تھی اور وہی قرآن مجید کے پہلے مخاطب تھے، لہٰذا دوسری بات اہلِ مکہ کو یہ سمجھائی کہ ہم نے اس قرآن کو تمھاری اپنی زبان میں نازل کیا ہے، تاکہ تم اچھی طرح سمجھو اور یہ نہ کہہ سکو کہ یہ کتاب تو ہماری زبان میں ہے ہی نہیں، ہم اسے کیسے سمجھیں اور جب سمجھ نہیں سکتے تو پھر اس پر عمل کیسے کریں؟ عربی زبان میں نازل کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ تمھارے پاس نہ ماننے کا کوئی بہانہ نہ ہو اور تم اس صاف اور واضح کتاب کا انکار کرنے کی بجائے اسے تسلیم کرنے والے بنو۔ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے: ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ﴾ [الشعراء: ۱۹۲، ۱۹۵] "اور بے شک یہ (قرآن) یقیناً رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ جسے روح الامین لے کر نازل ہوئے ہیں۔ آپ کے دل پر (نازل ہوا ہے) تاکہ آپ ڈرانے والوں میں شامل ہو جائیں۔ یہ فصیح عربی زبان میں ہے۔"

"عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ" سے مراد قریش کی زبان ہے جو کہ سب سے زیادہ فصیح تھی۔ عربی زبان ویسے بھی بہت فصیح و بلیغ ہے اور اس میں اتنی زیادہ خوبیاں ہیں کہ کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، البتہ عربوں میں بھی مختلف لہجات ہیں۔ ان میں سے قریش کا لہجہ اور انداز دوسرے لہجوں پر فوقیت رکھتا تھا اور یہ بات تسلیم کی جاتی تھی کہ قریش کے لوگ عربی لغت میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں جب ہر سال مقابلے ہوتے اور قصیدے و مُعَلَّقات لکھ کر لائے جاتے تو انھیں مکہ کے بازاروں میں پیش کیا جاتا تھا۔ اس دوران قریش کو ہی ان کے اوپر حاکم بنایا جاتا کہ وہ فیصلہ کریں کہ اس سال کا سب سے اچھا معلقہ اور قصیدہ کون سا ہے؟ عرب شعراء اپنا اپنا کلام اور اشعار قریش کے

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ﴿۳﴾

(اے نبی!) ہم اس قرآن کو آپ کی طرف وحی کر کے بڑا اچھا قصہ آپ سے بیان کرتے ہیں اور اگرچہ پہلے آپ اس سے بالکل بے خبر تھے ③

سامنے پیش کرتے، جس کے بارے میں وہ فیصلہ کرتے کہ یہ مُعَلَّقہ بہتر ہے اسے پھر سونے کے پانی سے لکھ کر بیت اللہ کی دیوار سے لٹکا دیا جاتا تھا۔یعنی ان کے ہاں زبان کی اس قدر اہمیت تھی۔قرآن کی وہ خوبی جس کا انکار اہلِ مکہ نہ کر سکے وہ اس کی لغت کا کمال ہے۔

آیت 3 ﴿ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ: بعض مفسرین نے " اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ " سے مراد بہترین قصہ لیا ہے جبکہ بعض مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن کا مطلق بیان ہے۔ ''قِصَّةٌ'' کی جمع قاف کے کسرہ کے ساتھ '' قِصَصٌ '' ہے، یعنی اگر مراد ''قِصَّةٌ'' کی جمع لی جائے تو ''قِصَصٌ '' ہونا چاہیے لیکن یہاں لفظ " الۡقَصَصِ " آیا ہے جو کہ مصدر کا معنی دیتا ہے۔اس لیے بیشتر مفسرین نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ہم بیان کرتے ہیں آپ پر بہترین بیان، یعنی سارا قرآن ہی بہترین بیان کے اندر نازل ہوا ہے۔اسی میں یہ سورت اور اس میں بیان ہونے والا قصہ بھی ہے۔سورۂ یوسف کے آخر میں ہے: ﴿ لَقَدۡ كَانَ فِيۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِي الۡاَلۡبَابِ ﴾ [یوسف: ۱۱۱] ''بے شک ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔'' قرآن اللہ کا کلام ہے اور یہ اس کی صفت بیان ہو رہی ہے، یا " الۡقَصَصِ " " قَصَّ يَقُصُّ " سے ہے، یعنی کسی کے نقشِ قدم پر چلنا، جیسا کہ سورۂ کہف میں ہے: ﴿ فَارۡتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ [الکھف: ٦٤] ''پس وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹ آئے۔''

بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ: اللہ رب العالمین فرماتے ہیں کہ ہم نے اس قرآن کو وحی کے ذریعے نازل کیا ہے۔اگر مطلق قرآن مقصود ہے تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ قرآن کا بیان سب سے اچھا بیان ہے۔اس میں کوئی چیز نبی ﷺ نے اپنی طرف سے شامل نہیں کی اور نہ ہی جبریل علیہ السلام نے اس میں کوئی اضافہ کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے جس طرح محمد ﷺ پر نازل کیا آپ نے کسی کمی بیشی کے بغیر اسی طرح اسے آگے پہنچا دیا۔تاہم اگر " اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ " کا معنی بہترین قصہ کیا جائے تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ اس قصے کو ہم نے قرآن میں وحی کے ذریعے نازل کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔یوسف علیہ السلام کے قصے میں بہت ساری باتیں معروف ہیں۔بعض لوگوں نے عشق کی داستانیں بیان کرنے کے لیے اس قصے کو بھی بنیاد بنایا ہے۔پنجابی کتابوں میں یوسف اور زلیخا کے نام سے داستانیں لکھی گئی ہیں

اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوۡكَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ

جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا اے ابا جان! بے شک میں نے (خواب میں) دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج

اور اس میں اپنی طرف سے بہت کچھ شامل کیا گیا ہے۔

یہودیوں نے بھی یوسف علیہ السلام کے قصے کے حوالے سے بہت سی تحریفات کی ہیں، یعنی پہلے بھی مختلف انداز میں لوگوں نے اس واقعہ میں بہت ساری چیزیں شامل کیں تو آج بھی ایسا ہی ہے۔ اللہ رب العزت نے یہاں یہ بات سمجھائی ہے کہ ہم نے اپنے قرآن میں وحی کے ذریعے اس قصے کے متعلق سب حقائق کو بیان کر دیا ہے اور انھی حقائق کا اعتبار ہونا چاہیے۔ یہ بالکل صحیح واقعہ ہے۔ یہودیوں نے اپنی طرف سے بہت جھوٹ گھڑا جو کہ اسرائیلی روایات میں واضح نظر آتا ہے، ایسے ہی بہت سارے لوگوں نے اس واقعہ کو عشق کی داستان بنا دیا اور عجیب و غریب انداز اپنایا گیا۔ یہ ساری چیزیں قطعی طور پر غلط ہیں۔ صحیح صرف وہ ہے جسے اللہ نے وحی کے ذریعے قرآن میں بیان کیا ہے۔

وَ اِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ: اے نبی! جب تک ہم نے وحی کے ذریعے آپ تک یہ قصہ نہیں پہنچایا تھا، اس وقت تک آپ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ہے: ﴿مَا كُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡكِتٰبُ وَ لَا الۡاِیۡمَانُ﴾ [الشوریٰ: ۵۲] ”پہلے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بتایا ہے وہی آپ کے علم میں ہے۔ یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے۔ اس میں کسی قسم کی تنقیص کا کوئی پہلو نہیں ہے بلکہ رب تعالیٰ نے اس چیز کو ایک اعزاز کے طور پر بیان کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ آپ کے پاس ایسا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا کہ کوئی آ کر یہ ساری باتیں آپ کو بتا دے، ایسے ماحول میں آپ ایک ایسا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں جو تاریخی طور پر بہت اہمیت کا حامل ہو تو اس کا مطلب ہے کہ یہ ساری خبر اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے اور آپ کے سچا رسول ہونے کی واضح دلیل ہے۔

آیت 4 ﴿اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ ...: یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا تو اسے اپنے باپ کے سامنے بیان کیا کہ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کے بارے میں دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ گیارہ ستاروں سے مراد گیارہ بھائی اور سورج سے مراد والد اور چاند سے مراد والدہ ہیں۔ یوسف علیہ السلام کا یہ خواب سچا تھا اور اس کی تعبیر بہت شان دار ثابت ہوئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ خَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِیۡلُ رُءۡیَایَ مِنۡ قَبۡلُ ۫ قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّیۡ حَقًّا﴾ [یوسف: ۱۰۰] ”وہ سب ان کے لیے سجدے میں گر گئے اور انھوں نے کہا اے میرے ابا جان! یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے دیکھا تھا، یقیناً میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا۔“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مناسبت سے یہ چیز واضح کی ہے کہ خواب کو ہر شخص کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے، بلکہ صرف

رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ④

اور چاند مجھے سجدہ کرنے والے ہیں ④

اسے بتانا چاہیے جو آپ سے دلی محبت کرتا ہو، آپ کا خیر خواہ ہو، آپ کے لیے دستِ دعا بلند کرنے والا ہو اور خواب کی اچھی تعبیر بیان کرسکتا ہو۔ [دیکھیے سنن الترمذي، أبواب الرؤيا، باب ماجاء في تعبير الرؤيا : ۲۲۷۸، ۲۲۸۰] حدیث میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ اچھا خواب دیکھو تو اپنے خیر خواہوں کو بتادو اور اگر خواب برا ہو تو اس کا تذکرہ کسی کے ساتھ نہ کرو، یعنی اسے بیان ہی نہ کرو۔ [دیکھیے صحیح البخاري، کتاب التعبير، باب إذا رأى مايكره ...: ۷۰٤٤] ایک اور حدیث میں ہے، نبی ﷺ فرماتے ہیں: ’’جب کوئی شخص برا خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے تو وہ (خواب) اسے نقصان نہیں دے گا۔‘‘ [صحیح البخاري، کتاب التعبير، باب من رأى النبي ﷺ ...: ٦٩٩٥] ایک حدیث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بندہ کروٹ تبدیل کرلے۔ [دیکھیے صحیح مسلم، کتاب الرؤيا : ۲۲٦۱/۲] خوابوں کے حوالے سے یہ اللہ کے رسول ﷺ کی مختلف احادیث ہیں جنھیں بہت اچھے طریقے سے سمجھنا چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ اگر تم برا خواب بیان نہیں کروگے، شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہوئے تین مرتبہ بائیں طرف تھوک دوگے اور کروٹ بدل لوگے تو برے خواب سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔ ہمارے معاشروں میں لوگ اس سلسلہ میں بہت زیادہ بے احتیاطی کرتے ہیں اور برا خواب بیان کرنے میں قطعاً کوئی تردّد نہیں کرتے۔ بعض اوقات تو لوگوں نے جو خواب دیکھا ہوتا ہے اسے پوری طرح بیان بھی نہیں کرسکتے لیکن اس کے باوجود وہ خاموش نہیں رہتے۔ اگر کسی شخص نے کوئی بہت اچھا خواب دیکھا ہے تو اس کی تعبیر کسی پختہ عالم سے پوچھ لیں، یہ بالکل صحیح ہے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اچھے خواب مبشرات (بشارتیں) ہیں۔ [صحیح البخاري، کتاب التعبير، باب المبشرات : ٦٩٩٠] اور ایک حدیث میں فرمایا کہ اچھے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔ [صحیح البخاري، کتاب التعبير، باب الرؤيا الصالحة جزء...: ٦٩٨٩] نبوت تو ختم ہوگئی لیکن اللہ نے مبشرات کا ایک سلسلہ جاری رکھا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اپنے خواب بیان کیا کرتے تھے۔ [دیکھیے صحیح البخاري، أبواب التهجد، باب فضل قيام الليل : ۱۱۲۱] اسی طرح آپ ﷺ خود بھی پوچھتے تھے کہ کیا کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ [صحیح البخاري، کتاب التعبير، باب تعبير الرؤيا ...: ۷۰٤۷] بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ ہم اپنی دانست میں کسی خواب کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ اچھا نہیں ہے۔ بندہ اندازہ ہی نہیں کرسکتا اور سمجھتا ہے کہ شاید یہ

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

کہا میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، ورنہ وہ تمھارے لیے کوئی بری تدبیر کریں گے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ⑤

کوئی نقصان والی بات ہے جبکہ حقیقت میں اس کی تعبیر بہت اچھی ہوتی ہے۔ ایسے ہی بعض اوقات بندہ سمجھتا ہے کہ اس نے جو خواب دیکھا ہے وہ بہت اچھا ہے، لیکن اس کی تعبیر اچھی نہیں ہوتی۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ خواب اس کے سامنے بیان کرو جو علم رکھنے والا، عمل میں بہت اچھا اور تمھارے لیے خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہو، خواب کو کسی ایسے شخص کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے جو تعبیر نہ جانتا ہو، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تُقَصُّ الرُّؤْيَا إِلَّا عَلٰى عَالِمٍ أَوْ نَاصِحٍ)) [سنن الترمذي، أبواب الرؤيا، باب تأويل الرؤيا ما يستحب منها وما يكره: ٢٢٨٠، قال الألباني: صحيح] ''خواب کسی عالم یا خیر خواہ کے علاوہ کسی سے بیان نہ کرو۔'' یوسف علیہ السلام نے بھی اپنا خواب صرف اپنے والد گرامی یعقوب علیہ السلام کے سامنے بیان کیا اور پھر والد کی عزت کرتے ہوئے نام سے نہیں پکارا بلکہ کہا: ﴿ يٰٓاَبَتِ ﴾ اے میرے ابا جان! ہماری شریعت میں بھی یہی طریقہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الادب المفرد'' میں باب قائم کیا ہے کہ ''بَابٌ لَا يُسَمِّي الرَّجُلُ أَبَاهُ '' ''آدمی کا اپنے باپ کو نام سے نہ پکارنے کا بیان'' اور اس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ((لَا تُسَمِّهِ بِاسْمِهِ)) [الأدب المفرد: ٤٤، قال الألباني: صحيح] ''اپنے والد کو نام سے نہ پکارو۔''

آیت 5 ﴿ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ . . . ﴾: یعقوب علیہ السلام نے خواب سنا تو فوراً سمجھ گئے کہ اس کی تعبیر کیا ہوگی۔ اسی لیے فرمانے لگے کہ اے بیٹے! تو نے یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہیں کرنا۔ یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔ وہ خواب کی تعبیر جانتے تھے، اس لیے انھوں نے منع کیا کہ اگر تو بھائیوں کو بتائے گا '' فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا '' تو وہ تیرے خلاف کوئی تدبیر کریں گے اور منصوبہ بنائیں گے، کیوں کہ اس خواب میں یہ بات بڑی واضح ہے کہ اگرچہ تو بھائیوں میں چھوٹا ہے، لیکن سارے بھائیوں کو تیری برتری تسلیم کرنا پڑے گی اور وہ سبھی تیرے سامنے آ کر سجدہ کریں گے۔ یعقوب علیہ السلام نے یہ تدبیر اس لیے کی تاکہ اس خواب کے بیان کرنے کی وجہ سے یوسف علیہ السلام پر کوئی مصیبت یا پریشانی نہ آ جائے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ '' اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ '' شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ حسد پیدا کرتا ہے، پھوٹ ڈالتا ہے اور اختلاف پیدا کرتا ہے۔ وہ بھائیوں کے دلوں میں خطرات پیدا کر دے گا کہ یہ توکل کو

وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ

اور اسی طرح تمھارا رب تمھیں چن لے گا اور تمھیں بہت سی باتوں کی کچھ حقیقت بتائے گا اور تم پر اور آلِ یعقوب پر اپنی

کسی اونچے مقام پر پہنچنے والا ہے اور تمھیں اس کے سامنے جھکنا پڑے گا، لہٰذا اس کے خلاف کوئی منصوبہ بناؤ۔ شیطان کی شروع دن سے ساری محنت و کوشش اسی مقصد کے لیے رہی ہے کہ انسان دنیا میں آرام سے نہ رہیں۔ بھائیوں کی آپس میں لڑائی ہو، خاوند بیوی کے درمیان جھگڑا ہو اور گھروں و خاندانوں میں جگہ جگہ فساد کا معاملہ ہو، شیطان ہمیشہ لوگوں کو اکساتا اور دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے شیطان کے اسی شر سے یوسف علیہ السلام کو بچانے کے لیے تاکید کی کہ تو نے اپنا خواب بھائیوں کو نہیں بتانا۔

آیت 6 ﴿وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ . . . : اللہ رب العالمین نے جس طرح تجھے یہ شان دار خواب دکھایا ہے، اسی طرح تیرا انتخاب کر کے تیرے خواب کی تعبیر واضح کرے گا اور تجھے اس مقام پر پہنچائے گا۔ رب تعالیٰ اس سارے کام کو مکمل کرنے والا ہے۔ وہ تجھے بہت بڑے منصب پر فائز کرے گا، فرمایا: ﴿وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ ''اور تمھیں بہت سی باتوں کی کچھ حقیقت بتائے گا۔'' اس کے دو معنی کیے گئے ہیں: ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا، جیسا کہ سورت میں آگے واقعات بیان ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا خاص ملکہ عطا کیا اور وہ خواب سن کر اس کی صحیح تعبیر بیان کیا کرتے تھے۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے باتوں کی حقیقت کا علم سمجھائے گا۔ کسی بات کی حقیقت اور تہہ تک پہنچنے کو '' تَاْوِيْلِ '' کہتے ہیں اور '' الْاَحَادِيْثِ '' '' حَدِيْثٌ '' کی جمع ہے، جس کا مطلب ہے: مختلف باتیں اور بیانات، یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں ہر چیز کی تہہ تک پہنچنے اور اس کی حقیقت اور بصیرت کا علم عطا فرمائے گا۔

عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ بظاہر ایک چیز جو نظر آرہی ہوتی ہے، اس کے لیے عقل اور سوچ کا باقاعدہ ایک معیار ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں اور بعض اس کے ظاہر کو دیکھ کر اس کی حقیقت نہیں سمجھ پاتے۔ گویا یہ الگ الگ سلسلہ ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی پر وحی نازل کرتا اور اسے حقیقت سے سرفراز کرتا ہے تو اس میں بڑی صلاحیتیں پیدا ہو جاتی ہیں، جس میں یہ چیز بھی ہے کہ وہ '' تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ '' یعنی بات کی حقیقت اور اس کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسا علم، بصیرت اور گہرائی عطا کرتا ہے کہ وہ حقیقت کو جاننے لگ جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ بصیرتیں نبیوں کو عطا کی جاتی ہیں۔ صاحبِ بصیرت لوگوں سے اللہ تعالیٰ مختلف کام لیتا ہے۔ خوابوں کی تعبیر بھی اسی کا حصہ ہے۔

وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ عَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ : ''اور تم پر اور آلِ یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا۔'' یہاں نعمت

وَ عَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ١ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌؒ۰۰۶

ع۲

نعمت پوری کرے گا، جیسا کہ اس نے اس سے پہلے اس (نعمت) کو تمھارے باپ، دادا ابراہیم اور اسحاق (علیہما السلام) پر پورا کیا۔ بے شک آپ کا رب سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے ⑥

سے دینی اور دنیوی دونوں نعمتیں مراد ہیں، یعنی نبوت اور بادشاہت دونوں آپ کے لیے جمع کرے گا۔ نبوت و رسالت انسانوں کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ خالقِ کائنات نے یہ نعمت بھی یوسف علیہ السلام کو عطا فرمائی اور پھر آلِ یعقوب، یعنی یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں جن میں یوسف علیہ السلام بھی شامل ہیں، ان کی اولادوں میں نبوت کا سلسلہ رکھ دیا۔ بعد میں جتنے نبی آئے یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے آئے ہیں۔ اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: عبد اللہ۔ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سارے نبی اسی خاندان سے بھیجے ہیں۔ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسماعیل سے ہیں باقی سب نبی بنو اسحاق سے آئے ہیں۔

دنیوی نعمت سے حکومت مراد ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرمایا: ﴿ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ﴾ [المائدۃ: ۲۰] ''یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو اس نے تمھیں عطا کی ہے، جب اس نے تم میں سے انبیاء پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا۔'' ایک اور مقام پر ہے: ﴿ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴾ [النساء: ۵۴] ''پس یقیناً ہم ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کو کتاب اور حکمت دے چکے ہیں اور ہم نے ان کو بڑی سلطنت عطا کی تھی۔'' ایسے ہی اس سورت کے آخر میں ہے۔ یوسف علیہ السلام نے اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ﴾ [یوسف: ۱۰۱] ''اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی۔'' ان ساری آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل میں سیاست الانبیاء علیہم السلام کا آغاز یوسف علیہ السلام سے ہوا، جیسا کہ حدیث میں ہے: ((كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ)) [صحیح البخاري، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ما ذکر عن بني إسرائیل: ۳۴۵۵] ''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔''

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے بحث کی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے دوسرے بھائی نبی تھے یا نہیں؟ تو ساری بحث پڑھنے کے بعد یہی بات سمجھ آتی ہے کہ ثقاہت کے ساتھ کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہو سکے کہ وہ نبی تھے، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں نبی زیادہ آئے ہیں۔ اللہ رب العالمین نے نبوت و رسالت

لَقَدۡ کَانَ فِیۡ یُوۡسُفَ وَ اِخۡوَتِہٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیۡنَ ⑦

بے شک یقیناً یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں ⑦

جیسی عظیم نعمت سے نواز کر یعقوب علیہ السلام کے خاندان اور اولاد سے بہت کام لیا اور وہ سبھی دین کی دعوت پیش کرتے رہے۔

کَمَاۤ اَتَمَّہَا عَلٰۤی اَبَوَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ . . . : ''جیسا کہ اس نے اس سے پہلے اس (نعمت) کو ابراہیم اور اسحاق (علیہما السلام) پر پورا کیا۔'' یہ دادا اور پردادا بنتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے باپ یعقوب علیہ السلام ہیں، دادا اسحاق علیہ السلام اور پردادا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ چاروں اللہ کے نبی تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو کس قدر عزت سے نوازا کہ یوسف علیہ السلام بھی نبی اور ان کے باپ یعقوب علیہ السلام بھی نبی ہیں اور ان کے دادا اسحاق اور پردادا ابراہیم علیہما السلام بھی نبی ہیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام تو ابوالانبیاء ہیں۔ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے بہت بڑا اعزاز ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْکَرِیْمُ ابْنُ الْکَرِیْمِ ابْنِ الْکَرِیْمِ ابْنِ الْکَرِیْمِ ، یُوْسُفُ بْنُ یَعْقُوْبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ)) [صحیح البخاري، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب : ﴿ أم کنتم شهداء إذ حضر یعقوب الموت ﴾ : ۳۳۸۲] ''کریم بن کریم، بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔''

اِنَّ رَبَّکَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ : ''بے شک آپ کا رب سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔'' نبوت کس کو دینی ہے اور کون اس کا حق ادا کر سکتا ہے، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی شروع شروع میں کہتا تھا کہ میں اصل نبی نہیں ہوں بلکہ میں ''ظلّی نبی'' ہوں، یعنی مجھ پر نبی کا سایہ ہے۔ اس نے اپنی جھوٹی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے ''ظلی اور بروزی'' دو قسمیں بنائیں اور خود کو ''ظلی نبی'' قرار دیا۔ اس کی یہ ساری باتیں جھوٹ پر مبنی تھیں۔ نبوت کسی چیز نہیں ہے کہ جو کوئی اللہ کی عبادت کر کے ایک مخصوص مقام پر پہنچ جائے گا اسے نبوت مل جائے گی۔ نبوت درحقیقت ایک وہبی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے انتخاب کرتا ہے اور پھر اس پر وحی نازل کر کے کتاب و شریعت عطا کرتا اور نبوت و رسالت کے اعزاز سے نواز دیتا ہے۔ وہ حکیم ہے اور ساری حکمت اسی کی چلتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ان باتوں کو نہیں جانتا اور نہ ہی اللہ نے یہ معاملہ کسی اور پر چھوڑا ہے۔ اس حوالے سے کوئی اس کا مشیر اور دخیل نہیں ہے۔ یہ سارے کا سارا معاملہ اللہ رب العالمین کے ساتھ خاص ہے۔ [مزید دیکھیے القصص : ۸۶۔ الشوریٰ : ۵۲۔ ہود : ۴۹۔ البقرۃ : ۱۰۵۔ آل عمران : ۷۴]